مفتی ذاکر حسن نعمانی

جامعہ عثمانیہ پشاور

کرنسی نوٹ کی تین فقہی وضاحتیں

نوٹ یعنی موجودہ کرنسی کی فقہی حیثیت کے بارے میں ہندوستان کے اکثر علماء کی ماضی قریب میں یہ رائے تھی کہ نوٹ وثیقہ یعنی قرض کی سند اور رسید ہے' لیکن اب قوی اور اتفاقی رائے جو سامنے آئی ہے' وہ یہ ہے کہ ہر مالیت کا نوٹ خود مال اور ثمن عرفی ہے بلکہ اب ان نوٹوں کی رسیدیں جاری ہوتی ہیں' مثلاً چیک' ڈرافٹ' پرائز بانڈ (جن کو اعتباری زر کہتے ہیں) اور دیگر مالی رسیدیں' اس لئے اس رائے پر مزید تحقیق کی فی الحال ضرورت نہیں۔ البتہ ایک تیسری رائے بھی ہے کہ ایک روپیہ کا نوٹ خود مال ہے' اور پانچ' دس' پچاس' سو' پانچ سو اور ایک ہزار والے نوٹ ایک روپیہ والے مال کی رسیدیں ہیں۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ فرماتے ہیں' ایک روپیہ کا نوٹ خود مال ہے اس سے زکوٰۃ کی صحت میں کوئی اشکال نہیں' البتہ ایک روپیہ سے بڑا نوٹ مال کی رسید ہے۔ (احسن الفتاوی ج ص ۲۶۷)

اس تیسری رائے کے غلط ہونے پر قدرے تفصیل پیش خدمت ہے' یہ رائے بظاہر درست ہے' اس لئے کہ ایک روپیہ کے نوٹوں یا سکوں کے علاوہ بڑے نوٹوں پر یہ عبارت درج ہوتی ہے: ''بینک پانچ روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا''' ''بینک سو روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا'' جبکہ ایک روپیہ کے نوٹوں یا سکوں پر یہ عبارت نہیں لکھی ہوتی' اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام بڑے نوٹ اس ایک روپیہ والے تمام سکوں کی رسیدیں ہیں۔

اس رائے کو اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر ایک روپیہ اور اوپر کے بڑے نوٹوں کی مقدار برابر ہونی چاہیے' اگر ملک میں ایک روپیہ والے سکّوں کی تعداد ایک کروڑ ہے تو تمام بڑے چھپے ہوئے نوٹ بھی ایک کروڑ روپیہ ہونا چاہیے' کیونکہ بڑے نوٹ رسیدیں ہیں اور رسیدوں میں سچ سچ لکھا جاتا ہے' لیکن عملاً ایسا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر سکے کروڑوں کی تعداد میں ہیں تو بڑے بڑے نوٹ اربوں کی تعداد میں ہیں۔

تیسری رائے کے بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر ملک لوگوں کی سہولت کی خاطر مختلف مالیت کے مختلف چھوٹے بڑا نوٹ چھاپتا ہے' ان تمام مختلف مالیت والے نوٹوں کے لئے ایک بنیادی اکائی مقرر کرتے ہیں۔ جس کو معاشیات کی اصطلاح میں حسابی زر' حسابی نوٹ' اور حسابی اکائی کہتے ہیں' اس حسابی اور بنیادی اکائی کے ذریعہ رقم کی گنتی ہوتی ہے' چیزوں کی قیمت بتائی جاتی ہے' اسی طرح اشیاء وخدمات کا حساب کیا جاتا ہے' یہی بنیادی اور حسابی اکائی ایک روپیہ سے بڑے تمام نوٹوں میں موجود ہوتی ہے' مثلاً پانچ روپیہ کے نوٹ میں پانچ حسابی زر یا بنیادی اکائیاں

موجود ہوتی ہے' اور سو روپیہ کے نوٹ میں ایک سو بنیادی اور حسابی اکائیاں موجود ہوتی ہیں' اگر یہ بنیادی اکائی اور حسابی نوٹ نہ ہو تو تمام بڑے نوٹوں کی گنتی مشکل ہو جائے گی' تمام اشیاء کی خرید و فروخت مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گی' دکاندار مبیع کی قیمت کیا اور کیسے بتائے گا' گاہک ثمن کی ادائیگی کیسے کریگا' لیکن اس بنیادی اکائی کے وجود کی وجہ سے دکاندار کہتا ہے کہ مبیع کی قیمت دس روپیہ ہے' گاہک اگر راضی ہو تو دس روپیہ ادا کر دیتا ہے' یہ اس بنیادی اکائی کے وجود کی برکت ہے' کسی چیز کا مہنگا یا سستا ہونا اسی بنیادی اکائی کی وجہ سے ہے' تنخواہیں کم یا زیادہ اسی حسابی زر کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہیں' مال کی کمی اور زیادتی اسی حسابی زر سے معلوم کی جاتی ہے۔

بنیادی اکائی کی مزید وضاحت کیلئے عرض ہے کہ ایک وقت تھا کہ ایک روپیہ کے لئے بنیادی اکائی ایک پائی یا ایک پیسہ ہوتا تھا' ایک روپیہ میں سو پائیاں یا چونسٹھ پیسے ہوتے تھے' اس طرح ایک روپیہ میں سولہ آنے ہوتے تھے' ایک آنہ ایک روپیہ کیلئے بنیادی اکائی تھی۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ایک آنہ مال ہے اور ایک روپیہ سولہ آنوں کی رسید ہے' لیکن آہستہ آہستہ قوت خرید کم ہوتی گئی تو اب بنیادی اکائی ایک روپیہ بن گیا۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک روپیہ کے نوٹ پر جو عبارت درج ہے'' حکومت پاکستان ایک روپیہ'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک روپیہ مال ہے' اور بقیہ نوٹ اس کی رسیدیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک روپیہ اور ثمن عرفی ہونے کے ساتھ ساتھ حسابی زر اور بنیادی اکائی بھی ہے' اور بقیہ نوٹ حسابی زر نہیں بلکہ صرف مال اور ثمن عرفی ہیں۔ ہر ملک کی کرنسی کی الگ الگ بنیادی اکائی ہے' مثلاً روپیہ' درہم' دینار' ریال' ڈالر اور ین وغیرہ۔

کرنسی کے علاوہ بعض دیگر امور میں بھی بنیادی اکائی کا تصور ضروری اور موجود ہے مثلاً وزن کیلئے گرام کا وجود' ایک گرام کے وجود کی وجہ سے لوگ کلوگرام کے حساب سے چیزیں خریدتے ہیں' ایک کلوگرام میں ہزار گرام ہوتے ہیں۔

اسی طرح کسی چیز کو ناپنے کے لئے انچ کا تصور ہے' اس کے بعد فٹ' گز' فرلانگ اور میل ہے اگر انچ کا تصور نہ ہوتا تو فٹ' گز اور میل وغیرہ کی پہچان مشکل ہو جاتی۔

کرنسی کے بارے میں دوسری وضاحت:

نوٹ مثلی ہیں' قیمتی نہیں' ہر ملک کی کرنسی کی بنیادی اکائیاں ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہیں' دیون کی ادائیگی نوٹوں کے ذریعہ ہوتی ہے' قرضوں میں دیئے جاتے ہیں' اور قرض کا قانون بھی یہ ہے کہ ذوات الامثال قرضوں میں دیئے جاتے ہیں۔ ذوات القیم مثلاً گوشت' مرغی وغیرہ کسی کو قرض نہیں دی جاتی' کیونکہ دوبارہ اس کی ادائیگی کے لئے گوشت اور مرغی کا مثل موجود نہیں۔ لہذا قیمتی اشیاء کو نقد یا ادھار خریدا جاتا ہے' سونا' چاندی' یا ان سے ڈھلے ہوئے سکوں کے تبادلے کے وقت کمی بیشی تو از روئے نص حرام ہے' لیکن دیگر چیزوں میں علت قدر اور جنس کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ قدر اور جنس کے وقت مماثلت پیدا ہو جائے گی' جس کی وجہ سے تبادلہ میں تفاضل ناجائز ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: و المماثلة بين الشيئين باعتبار الصورة و المعنى و المعياري يسوى الذات و الجنسية تسوى المعنى فيظهر الفضل على ذالك فيتحقق الربا۔ دو چیزوں کے درمیان مماثلت صورت اور معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور معیار ذات میں برابری کرتا ہے اور ہم جنس ہونا معنیٰ میں برابری کرتا ہے، پس زیادتی اسی پر ظاہر ہوگی اور ربا متحقق ہوگا۔ (باب الربا)

دو چیزوں کے درمیان مماثلت صورت اور معنیٰ کے ساتھ قائم ہوتی ہے، قدر تساوی فی المعیار کا نام ہے، یعنی صورتاً مماثلت اور جنس تشاکل فی المعانی کا نام ہے، یعنی معانی کے اعتبار سے ہم شکل ہونا۔ اس طرح قدر اور جنس کے ملنے سے جو چیز حاصل ہوتی ہے ان میں تماثل ہوگا۔ اس تشریح کے بعد ہر ملک کی کرنسی کے تبادلہ میں تفاضل کی حرمت کے لئے قدر اور جنس تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قدر اور جنس کی تلاش تماثل پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور کرنسی کی بنیادی اکائیوں میں اعلیٰ پیمانے پر تماثل اور مساوات موجود ہے۔

الاشباہ و النظائر للسیوطی میں ہے۔ "ما لا یختلف اجزا النوع الواحد منه بالقیمة" جن میں ایک ہی نوع کے مختلف اجزاء میں قیمت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو۔ (ج ۲ ص ۲۱۹)

مثل کی یہ تعریف ہر ملک کی کرنسی، نوٹوں پر صادق آتی ہے، ہر ملک کی کرنسی ایک نوع ہے، اور ہر بنیادی اکائی مثلاً روپیہ، درہم، دینار وغیرہ اس کے اجزاء ہیں۔

تمام اجزاء یعنی ہر بنیادی اکائی دوسری اکائی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے برابر ہیں، ہر اکائی کی ایک قوت خرید ہے، مثلاً ایک روپیہ کی ایک ٹافی ملتی ہے، تو روپیہ کے عوض ایک ٹافی کا حصول اس کی قوت خرید یعنی قیمت ہے، پانچ روپیہ کے نوٹ میں پانچ بنیادی اکائیاں موجود ہیں، اس نوٹ کی قوت خرید پانچ ٹافیاں ہوں گی، دکاندار کے پاس جو بھی ایک روپیہ لے کر جائے گا اس کو ایک ٹافی ملے گی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص کی بنیادی اکائی یعنی روپیہ کی قوت خرید دو ٹافیاں ہیں اور دوسرے کی ایک۔ ان بنیادی اکائیوں کے تماثل کی وجہ سے تبادلوں کے وقت تفاضل ناجائز ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ مثلی کے بارے میں فرماتے ہیں "و منها ان یکون مماله مثل کا المکیلات و الموزونات و العددیات المتقاربة" (ج ۷، ص ۳۹۵)

یعنی عددیات متقاربہ کو بھی مثلی کہا گیا ہے، اور موجودہ کرنسی کا حکم فلوس نافقہ کی طرح ہے، جس طرح فلوس نافقہ عددی ہیں، اسی طرح نوٹ بھی عددی ہیں، دونوں کے افراد یعنی بنیادی اکائیوں میں تماثل ہے۔ جس طرح فلوس نافقہ ہیں تبادلہ کے وقت تفاضل ناجائز ہے اسی طرح ایک ملک کی کرنسی میں تبادلہ کے وقت تفاضل ناجائز ہوگا۔

مبسوط میں ہے "و اما المصنوع لایختلف کا الدراهم و الدنانیر و الفلوس و کل ذالک مثلی" فلوس کو مثلی کہا ہے اور سود مثلی اشیاء میں بنتا ہے۔ اس لئے کہ مثلی کے ہر فرد کی طرف ہر شخص کی رغبت

حاجت اور ضرورت برابر ہوتی ہے۔ لہذا تبادلہ کے وقت کمی بیشی کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

کرنسی کے بارے میں تیسری وضاحت:

کرنسی جب ذوات الامثال سے ہوئی تو دیون اور قرضوں کی واپسی کے وقت اس کی قوت خرید میں کمی عیب ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہے، دیگر ذوات الامثال مثلاً گندم اور مکئی وغیرہ میں اپنی ذاتی قدر و قیمت ہوتی ہے، جب بھی واپس کی جائے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن کرنسی کی ذاتی قدر بالکل نہیں، اس کی قدر قوت خرید ہے۔

ہندوستان کے بعض علماء کرام نے طویل المیعاد قرضہ جات اور دیون کی واپسی کے وقت قوت خرید کی کمی کو پورا کرنے کے لئے سونے کو معیار بنایا ہے، مثلاً کسی نے ایک لاکھ روپیہ آج قرض لیا، جس کے عوض دس تولہ سونا ملتا ہے، دو سال بعد جب قرضہ واپس کرنا چاہا تو ایک لاکھ کے عوض نو تولہ سونا ملتا تھا۔ تو قرض دار ایک تولہ سونا کی مزید رقم دے گا۔ اس طرح ایک لاکھ روپیہ کی قدر میں جو کمی آئی تھی وہ پوری ہو جائے گی۔

مگر یہ تاویل قابل غور ہے اس لئے کہ کرنسی کی قوت خرید کے لئے صرف سونے کو معیار بنانا اور دیگر بے شمار اشیاء سے صرف نظر صحیح نہیں، سونے کو معیار بنا کر قوت خرید کے عیب کی بظاہر تلافی ہو جائے گی لیکن ممکن ہے کہ اس مدت میں اگر دیگر اشیاء کو معیار بنایا جاتا تو اتنا عیب نہ ہوتا تو اس بات کا امکان رہے گا کہ قرض خواہ کو زیادہ رقم مل گئی اس لحاظ سے "کل قرض جر نفعا" کے تحت سود کا شبہ ضرور ہوگا۔

علاوہ ازیں کرنسی کے علاوہ مثلی اشیاء کی واپسی کے وقت پتہ چلتا ہے کہ مثل موجود ہے یا نہیں۔ اگر مثل ناپید ہے تو قیمت ادا کی جائیگی۔ لیکن بائع اگر مشتری کے ہاتھ ایک ٹن گندم مثلاً فروخت کرے اور مشتری کہے کہ ثمن دو سال بعد ایک لاکھ ادا کرونگا، تو بائع ابھی سے کہہ دیگا کہ فی الحال اس دین کے عوض جو سونا ملتا ہے تو دو سال بعد اس سونے کی مقدار کرنسی وصول کرونگا۔ کیونکہ قوت خرید لازماً گھٹتی ہے، اس صورت میں ثمن مجہول ہو جائیگا۔ پتہ نہیں چلا کہ بائع نے گندم ایک لاکھ کرنسی کے عوض فروخت کی یا سونے کے عوض تو بیع فاسد ہو جائیگی۔ ایک اشکال یہ بھی ہے کہ بینک عموماً قرض کا لین دین کرتا ہے، اور بینکوں میں اصلاً یہی قرض والا سودی کاروبار ہوتا ہے، بینک سود وغیرہ فروخت نہیں کرتے تاکہ دین بن کر معیاد مقرر کرنا صحیح ہو جائے بلکہ بینک رقم قرض دیتا ہے یا لیتا ہے، اس لحاظ سے رقم قرض دیتے وقت معیاد مقرر کرنا صحیح نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار موجلا لما ذکرنا الا القرض فان تاجيله لايصح لانه اعارة وصلة في الابتدا حتى يصح بلفظ الاعارة ولايملكه من التبرع كالوصي و الصبي ومعاوضة في الانتهاء فعلى اعتبار الابتداء لايلزم التاجيل فيه كما في الاعارة فلاجبر في التبرع وعلى اعتبار الانتها لايصح لانه يصير بيع الدراهم بالدراهم نسيئة وهو ربوا۔

اور ہر دین معجّل کے لئے جب صاحب دین معیاد مقرر کر دے تو موجل بن جاتا ہے سوائے قرض کے کیونکہ قرض کو موجل کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ابتدا اعارہ اور تبرع ہے حتی کہ اعارہ کے لفظ کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے اور جو شخص تبرع کا مالک نہیں ہوتا وہ اس کا بھی مالک نہ ہوگا جیسے وصی اور صبی۔ اور انتہا میں معاوضہ ہے، پس ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں میعاد لازم نہیں ہوتی، جیسا کہ اعارہ میں اس لئے کہ تبرع میں جبر نہیں، اور انتہا کا اعتبار کرتے ہوئے معیار صحیح نہیں کیونکہ یہ دراہم کی بیع دراہم کے عوض ادھار ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ ربا ہے۔ (ص، ۷۶)

قرضہ ابتداء احسان اور تبرع ہے، اس لئے بچہ، غلام اور وصی کسی کو قرضہ نہیں دے سکتے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ بینک میں اکاؤنٹ نہیں کھول سکتا۔ کیونکہ بینک کو رقم دینا بینک کو قرضہ دینا ہے۔ جو احسان ہے اور بچہ اس کا اہل نہیں۔ انتہاء کے اعتبار سے قرضہ معاوضہ ہے، کیونکہ قرض دینے کے بعد اس کا بدل اور مثل وصول کیا جاتا ہے، قرضہ کی ابتدائی حالت کے اعتبار میں معیاد لازم نہیں۔ جیسے عاریت میں ہوتا ہے، کیونکہ عاریت پر دینا احسان ہے اور معیاد مقرر کرنے سے عاریت پر دینے والے پر جبر لازم آئے گا۔ اسلئے کہ معیاد سے قبل عاریت والی چیز واپس نہیں لے سکے گا۔

اس طرح قرضہ میں بھی معیاد لازم نہ ہوگی، اپنا احسان اس کو مہنگا پڑ جائے گا، اور انتہاء کے اعتبار سے میعاد مقرر کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ بیع الدراہم بالدراہم نسیئۃ ہو جائے گا اور دراہم کا دراہم کے عوض ادھار بیچنا ربوا ہے، اگرچہ دراہم میں کمی یا زیادتی نہ ہو اور ربوٰ کے لازم آنے سے قرض فاسد ہو جائیگا۔ حالانکہ قرض کا معاملہ شرعاً مندوب ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔ والاجل لایلزم فی القرض سواء کان مشروطا فی العقد او متاخرا عنه بخلاف سائر الدیون '' قرض میں معیاد مقرر کرنا صحیح نہیں خواہ معیاد عقد کے دوران مقرر کی جائے یا بعد میں بخلاف دیون کے یعنی اگر قرض سودا فروخت کیا تو ذمہ پر لازم ہونے والے ثمن کے لئے میعاد مقرر کردے۔ (بدائع ج ۷ ص ۳۹۷) اس تفصیل کے بعد غور کریں کہ بینکوں کا کاروبار ہی طویل المیعاد قرضے ہوتے ہیں، اگر لوگ بینکوں کیساتھ سونے کو میعاد بنا کر کرنسی کے ادھار کا معاملہ شروع کردیں تو ضرور میعاد مقرر کرینگے، اور قرضوں میں میعاد مقرر کرنا مذکورہ تفصیل کے مطابق صحیح نہیں۔ اگر قرض خواہ قرضہ دیتے وقت معیاد مقرر کر دے تو اسکے معیاد پوری ہونے سے قبل واپس قرضہ لینا مشکل ہو جائیگا۔ حالانکہ قرضہ دینے والا کسی بھی وقت مقروض سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اسلامی تجارت کے بنیادی اصول نامی کتاب میں لکھا ہے: کرنسی نوٹ قرض دینے کی صورت میں قرض کے قیمت کے مساوی کرنسی نوٹ واپس کرنا واجب ہے اگر واپسی کے وقت کرنسی نوٹ کی قوت خرید میں کمی آ گئی ہو (ص، ۵۰) اسی کتاب میں بحوالہ درمختار لکھا ہے، سکے اور کرنسی کی قیمت اگر گھٹ جائے یا بڑھ جائے لیکن وہ رائج اور مستعمل ہوں تو قرض کی واپسی میں اتنی ہی مقدار میں سکے اور کرنسی نوٹ دیئے جائیں گے جتنے قرض میں لئے تھے۔ قرض میں لئے گئے مقدار میں قرض دینے والے کی طرف سے اضافہ کا مطالبہ جائز نہیں۔ (ص ۵۰) ''واللہ اعلم بالصواب''